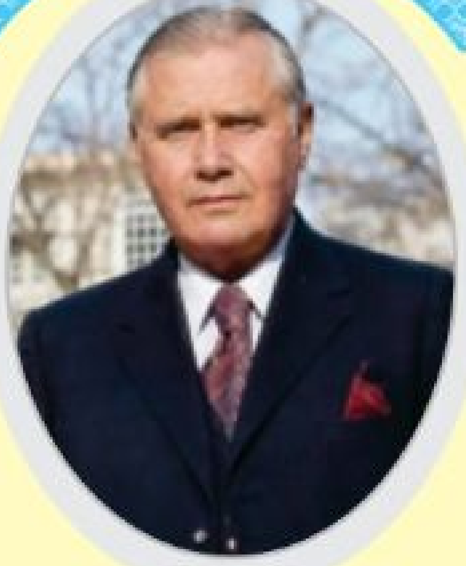

قدرت اللہ شہاب

(۱۹۱۷ء۔۱۹۸۶ء)

قدرت اللہ شہاب گلگت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گلگت اور جموں و کشمیر میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے انگریزی کی ڈگری حاصل کی۔

قدرت اللہ شہاب نے ۱۹۴۱ء میں انڈین سول سروس (آئی سی ایس) کا مقابلے کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا۔ وہ ریاست جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے پہلے مسلمان تھے جنھیں یہ اعزاز حاصل ہوا۔ قیامِ پاکستان کے بعد شہاب پاکستان آ گئے اور متعدد اہم انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔

قدرت اللہ شہاب نے سیکریٹری جنرل حکومتِ آزاد کشمیر، ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ، ڈائریکٹر انڈسٹریز حکومت پنجاب، سیکریٹری اطلاعات حکومتِ پاکستان اور سیکریٹری وزارتِ تعلیم جیسے اہم عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ وہ گورنر جنرل ملک غلام محمد، سکندر مرزا اور صدر ایوب خان کے پرائیویٹ سیکریٹری رہے۔ انھوں نے ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر اور اقوامِ متحدہ کے ادارے یونیسکو میں بھی ذمہ داریاں ادا کیں۔ انھوں نے پاکستان رائٹرز گلڈ کے قیام میں بھی اہم کردار ادا کیا، جو ملک کے ادیبوں کے لیے ایک مؤثر ادبی پلیٹ فارم ثابت ہوا۔

قدرت اللہ شہاب کی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے ہوا۔ ان کا پہلا افسانہ ''چندراوتی'' ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ ان کی نمایاں تخلیقات میں ''یا خدا''، ''نفسانے''، ''ماں جی''، ''سرخ فیتہ'' اور ''شہاب نامہ'' شامل ہیں۔ ''شہاب نامہ'' ان کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ یہی وہ تخلیقی شاہ کار ہے جس کی اشاعت سے انھیں ادبی دنیا میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

قدرت اللہ شہاب کی نثر سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔ وہ واقعات کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری خود کو ان کا ہم سفر محسوس کرتا ہے۔ ان کا اسلوب سنجیدہ مگر دل نشیں ہے، جس میں فکری پختگی اور روحانی جھکاؤ دونوں جلوہ گر ہیں۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۴

ماں جی

تدریسی مقاصد:

- ☆ افسانے کی صنف اوراس کی بنیادی خصوصیات کو سمجھنا
- ☆ افسانے کے اہم کرداروں اوران کی خصوصیات کا تجزیہ کرنا
- ☆ افسانے میں بیان کردہ معاشرتی اوراخلاقی اقدار کی شناخت کرنا
- ☆ افسانوی اسلوب بیان اورواقعاتی ترتیب کو سمجھنا
- ☆ طلبہ میں والدین بالخصوص ماں کے احترام اورخدمت کا جذبہ پیدا کرنا

www.ilmkidunya.com

ماں جی کی پیدائش کا صحیح سال معلوم نہ ہو سکا۔ جس زمانے میں لائل پور کا ضلع نیا نیا آباد ہو رہا تھا، پنجاب کے ہر قصبے سے غریب الحال لوگ زمین حاصل کرنے کے لیے اس نئی کالونی میں جوق در جوق کھنچے چلے آ رہے تھے۔ عرفِ عام میں لائل پور، جھنگ، سرگودھا وغیرہ کو "بار" کا علاقہ کہا جاتا تھا۔

اس زمانے میں ماں جی کی عمر دس بارہ سال تھی۔ اس حساب سے ان کی پیدائش پچھلی صدی کے آخری دس پندرہ سالوں میں کسی وقت ہوئی ہوگی۔

ماں جی کا آبائی وطن تحصیل روپڑ ضلع انبالہ میں ایک گاؤں منیلہ نامی تھا۔ والدین کے پاس چند ایکڑ اراضی تھی۔ ان دنوں روپڑ میں دریائے ستلج سے نہر سرہند کی کھدائی ہو رہی تھی۔ نانا جی کی اراضی نہر کی کھدائی میں ضم ہوگئی۔ روپڑ میں انگریز حاکم کے دفتر سے ایسی زمینوں کے معاوضے دیے جاتے تھے۔ نانا جی دو تین بار معاوضے کی تلاش میں شہر گئے لیکن سیدھے آدمی تھے۔ کبھی اتنا بھی معلوم نہ کر سکے کہ انگریز کا دفتر کہاں ہے اور معاوضہ وصول کرنے کے لیے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ انجامِ کار صبر و شکر کر کے بیٹھ گئے اور نہر کی کھدائی کی مزدوری کرنے لگے۔

انھی دنوں پر چہ لگا کہ بار میں کالونی کھُل گئی ہے اور نئے آباد کاروں کو مفت زمین مل رہی ہے۔ نانا جی اپنی بیوی، دو ننھے بیٹوں اور ایک بیٹی کا کُنبہ ساتھ لے کر لائل پور روانہ ہو گئے۔ سواری کی توفیق نہ تھی۔ اس لیے پاپیادہ چل کھڑے ہوئے۔

راستے میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے۔ نانا جی جگہ بہ جگہ قُلی کا کام کر لیتے یا کسی ٹال پر لکڑیاں چیر دیتے۔ نانی اور ماں جی کسی کا سُوت کات دیتیں یا مکانوں کے فرش اور دیواریں لیپ دیتیں۔ لائل پور کا صحیح راستا کسی کو نہ آتا تھا۔ جگہ جگہ بھٹکتے تھے اور پوچھ پوچھ کر دنوں کی منزل ہفتوں میں طے کرتے تھے۔

ڈیڑھ دو مہینے کی مسافت کے بعد جڑانوالہ پہنچے۔ پا پیادہ چلنے اور محنت مزدوری کی مشقت سے سب کے جسم نڈھال اور پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ یہاں پر چند ماہ قیام کیا۔ نانا جی دن بھر غلّہ منڈی میں بوریاں اٹھانے کا کام کرتے۔ نانی چرخہ کات کر سوت بیچتیں اور ماں جی گھر سنبھالتیں جو ایک چھوٹے سے جھونپڑے پر مشتمل تھا۔

انھی دنوں بقرعید کا تہوار آیا۔ نانا جی کے پاس چند روپے جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے ماں جی کو تین آنے بطور عیدی دیے۔ زندگی میں پہلی بار ماں جی کے ہاتھ اتنے پیسے آئے تھے۔ انھوں نے بہت سوچا لیکن اس رقم کا کوئی مصرف ان کی سمجھ میں نہ آسکا۔ وفات کے وقت ان کی عمر کوئی اسّی برس کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے نزدیک سو روپے، دس روپے، پانچ روپے کے نوٹوں میں امتیاز کرنا آسان کام نہ تھا۔ عیدی کے تین آنے کئی روز ماں جی کے دوپٹے کے ایک کونے میں بندھے رہے۔ جس روز وہ جڑانوالہ سے رخصت ہو رہی تھیں ماں جی نے گیارہ پیسے کا تیل خرید کر مسجد کے چراغ میں ڈال دیا۔ باقی ایک پیسا اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد جب کبھی گیارہ پیسے پورے ہو جاتے تو وہ فوراً مسجد میں تیل بھجوا دیتیں۔

اسبابِ دنیا میں ان کے پاس گنتی کی چند چیزیں تھیں۔ تین جوڑے سُوتی کپڑے، ایک جوڑا دیسی جُوتا، ایک جوڑا ربڑ کے چپل، ایک عینک، ایک انگوٹھی جس میں تین چھوٹے چھوٹے فیروزے جڑے ہوئے تھے۔ ایک جائے نماز، ایک تسبیح اور باقی اللہ اللہ۔

کھانے پینے میں وہ کپڑے لتے سے بھی زیادہ سادہ اور غریب مزاج تھیں۔ ان کی مرغوب ترین غذا مکئی کی روٹی، دھنیے پودینے کی چٹنی کے ساتھ تھی۔ باقی چیزیں خوشی سے تو کھا لیتی تھیں لیکن شوق سے نہیں۔ تقریباً ہر نوالے پر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ پھلوں میں بہت ہی مجبور کیا جائے تو کبھی کبھار کیلے کی فرمائش کرتی تھیں۔ البتہ ناشتے میں چائے دو پیالے اور تیسرے پہر سادہ چائے کا ایک پیالہ ضرور پیتی تھیں۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتی تھیں، اکثر و بیشتر دوپہر کا، شاذ و نادر رات کا۔ گرمیوں میں عموماً مکھن نکالی ہوئی پتلی نمکین لسی کے ساتھ ایک آدھ سادہ چپاتی ان کی محبوب خوراک تھی۔

دوسروں کو کوئی چیز رغبت سے کھاتے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور ہمیشہ دعا کرتی تھیں، سب کا بھلا۔ خاص اپنے یا اپنے بچوں کے لیے انھوں نے براہِ راست کبھی کچھ نہ مانگا۔ پہلے دوسروں کے لیے مانگتی تھیں اور اس کے بعد مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کے طفیل اپنے بچوں یا عزیزوں کا بھلا چاہتی تھیں۔ اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کو انھوں نے اپنی زبان سے کبھی "میرے بیٹے" یا "میری بیٹی" کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو اللہ کا مال کہا کرتی تھیں۔

منیلہ پہنچ کر نانا جی نے اپنا آبائی مکان درست کیا، عزیز و اقارب کو تحائف دیے، دعوتیں ہوئیں اور پھر ماں جی کے لیے بَر ڈھونڈنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس زمانے میں لائل پور کے مربعہ داروں کی بڑی دھوم تھی۔ ان کا شمار خوش قسمت اور باعزت لوگوں میں ہوتا تھا۔ چناں چہ چاروں طرف سے ماں جی کے لیے پے در پے پیام آنے لگے۔ یوں بھی ان دنوں ماں جی کے بڑے ٹھاٹھ باٹھ تھے۔ برادری والوں پر رُعب گانٹھنے کے لیے نانی جی انھیں ہر روز نت نئے کپڑے پہناتی تھیں اور ہر وقت دلھنوں کی طرح سجا کر رکھتی تھیں۔

کبھی کبھار پرانی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے ماں جی بڑے معصوم فخر سے کہا کرتی تھیں، "ان دنوں میرا تو گاؤں میں نکلنا دوبھر ہو گیا تھا۔

میں جس طرف سے گزر جاتی لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور کہا کرتے ۔ یہ خیال بخش مربعہ دار کی بیٹی جا رہی ہے ۔ دیکھیے کون خوش نصیب اسے بیاہ کر لے جائے گا۔"

"ماں جی! آپ کی اپنی نظر میں کوئی ایسا خوش نصیب نہیں تھا!" ہم لوگ چھیڑنے کی خاطر اُن سے پوچھا کرتے ۔

"توبہ توبہ پُت!" ماں جی کانوں پر ہاتھ لگاتیں "میری نظر میں بھلا کوئی کیسے ہو سکتا تھا ۔ ہاں میرے دل میں اتنی سی خواہش ضرور تھی کہ اگر مجھے ایسا آدمی ملے جو دو حرف پڑھا لکھا ہو تو خدا کی بڑی مہربانی ہوگی ۔"

ساری عمر میں غالباً یہی ایک خواہش تھی جو ماں جی کے دل میں خود اپنی ذات کے لیے پیدا ہوئی ۔ اس کو خدا نے یوں پورا کر دیا کہ اسی سال ماں جی کی شادی عبداللہ صاحب سے ہو گئی ۔

ان دنوں سارے علاقے میں عبداللہ صاحب کا طوطی بول رہا تھا ۔ وہ ایک امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن پانچ چھے برس کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے اور بے حد مفلوک الحال بھی ۔ عبداللہ صاحب دل و جان سے تعلیم حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے ۔ وظیفے پر وظیفہ حاصل کر کے اور دو سال کے امتحان ایک ایک سال میں پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی کے میٹریکولیشن میں اوّل آئے ۔ اس زمانے میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مسلمان طالب علم نے یونیورسٹی امتحان میں ریکارڈ قائم کیا ہو۔

اُڑتے اُڑتے یہ خبر سرسیّد کے کانوں میں پڑ گئی جو اس وقت علی گڑھ مسلم کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے ۔ انھوں نے اپنا خاص منشی گاؤں میں بھیجا اور عبد صاحب کو وظیفہ دے کر علی گڑھ بلا لیا ۔ یہاں پر عبد صاحب نے خوب بڑھ چڑھ کر اپنا رنگ نکالا اور بی ۔ اے کرنے کے بعد اُنیس برس کی عمر میں وہیں پر انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے لیکچرر ہو گئے ۔

سرسیّد کو اس بات کی دُھن تھی کہ مسلمان نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اعلیٰ ملازمتوں پر جائیں ۔ چناں چہ انھوں نے عبد صاحب کو سرکاری وظیفہ دلوایا تا کہ وہ انگلستان میں جا کر آئی سی ایس کے امتحان میں شریک ہوں ۔

پچھلی صدی کے بڑے بوڑھے سات سمندر پار کے سفر کو بلائے ناگہانی سمجھتے تھے ۔ عبد صاحب کی والدہ نے بیٹے کو ولایت جانے سے منع کر دیا ۔ عبد صاحب کی سعادت مندی آڑے آئی اور انھوں نے وظیفہ واپس کر دیا ۔

اس حرکت پر سرسید کو بے حد غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا ۔ انھوں نے لاکھ سمجھایا، بجھایا، ڈرایا، دھمکایا لیکن عبد صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے ۔

"کیا تم اپنی بوڑھی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح دیتے ہو؟" سرسید نے کڑک کر پوچھا ۔

"جی ہاں!" عبد صاحب نے جواب دیا ۔

یہ ٹکا سا جواب سن کر سرسید آپے سے باہر ہو گئے ۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے پہلے انھوں نے عبد صاحب کو لاتوں، مکّوں، تھپڑوں اور جوتوں سے خوب پیٹا اور کالج کی نوکری سے برخواست کر کے یہ کہ کر علی گڑھ سے نکال دیا ،"اب تم ایسی جگہ جا کر مرو جہاں سے میں تمھارا نام بھی

www.ilmkidunya.com

نہ سن سکوں۔''

عبد صاحب جتنے سعادت مند بیٹے تھے، اتنے ہی سعادت مند شاگرد بھی تھے۔ نقشے پر انھیں سب سے دُور افتادہ اور دشوار گزار مقام گلگت نظر آیا۔ چناں چہ وہ ناک کی سیدھ میں گلگت پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔

جن دنوں ماں جی کی منگنی کی فکر ہو رہی تھی انھی دنوں عبد صاحب بھی چھٹی پر گاؤں آئے ہوئے تھے۔ قسمت میں دونوں کا سنجوگ لکھا ہوا تھا۔ ان کی منگنی ہو گئی اور ایک ماہ بعد شادی بھی ٹھہر گئی تا کہ عبد صاحب دلھن کو اپنے ساتھ گلگت لے جائیں۔

منگنی کے بعد ایک روز ماں جی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پاس والے گاؤں میں میلا دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً یا شاید دانستہ عبد صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ماں جی کی سہیلیوں نے انھیں گھیر لیا اور ہر ایک نے چھیڑ چھیڑ کر ان سے پانچ پانچ روپے وصول کر لیے۔ عبد صاحب نے ماں جی کو بھی بہت سے روپے پیش کیے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ بہت اصرار بڑھ گیا تو مجبوراً ماں جی نے گیارہ پیسے کی فرمائش کی۔

''اتنے بڑے میلے میں گیارہ پیسے لے کر کیا کرو گی؟'' عبد صاحب نے پوچھا۔

''اگلی جمعرات کو آپ کے نام سے مسجد میں تیل ڈال دوں گی۔'' ماں جی نے جواب دیا۔

زندگی کے میلے میں بھی عبد صاحب کے ساتھ ماں جی کا لین دین صرف جمعرات کے گیارہ پیسوں تک ہی محدود رہا۔ اس سے زیادہ رقم نہ کبھی انھوں نے مانگی نہ اپنے پاس رکھی۔

اولاد کے معاملے میں ماں جی کیا واقعی خوش نصیب تھیں؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جس کا جواب آسانی سے نہیں سوجھتا۔

ماں جی خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ ان جیسی خوش نصیب ماں دنیا میں کم ہی ہوتی ہے لیکن اگر صبر و شکر، تسلیم و رضا کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو اس خوش نصیبی کے پردے میں کتنے دکھ، کتنے غم، کتنے صدمے نظر آتے ہیں۔

میاں نے ماں جی کو تین بیٹیاں اور تین بیٹے عطا کیے۔ دو بیٹیاں شادی کے کچھ عرصہ بعد یکے بعد دیگرے فوت ہو گئیں۔ سب سے بڑا بیٹا عین عالمِ شباب میں انگلستان جا کر گزر گیا۔

کہنے کو تو ماں جی نے کہہ دیا کہ '' کا مال تھا نے لے لیا'' لیکن کیا وہ اکیلے میں چُھپ چُھپ کر خون کے آنسو رویا نہ کرتی ہوں گی!

جب عبد صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی عمر باسٹھ سال اور ماں جی کی عمر پچپن سال تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ عبد صاحب بان کی کھردری چارپائی پر حسبِ معمول گاؤ تکیہ لگا کر نیم دراز تھے۔ ماں جی پائنتی بیٹھی چاقو سے گنّا چھیل چھیل کر ان کو دے رہی تھیں۔ وہ مزے مزے سے گنا چوس رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے۔ پھر یکا یک سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے۔'' بھاگوان! شادی سے پہلے میلے میں مَیں نے تمھیں گیارہ پیسے دیے تھے کیا ان کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟'' ماں جی نے نئی دلھنوں کی طرح سر جھکا لیا اور گنّا چھیلنے میں مصروف ہو گئیں۔

لیکن قضا و قدر کے بہی کھاتے میں وقت آ چکا تھا۔ جب ماں جی نے سر اٹھایا تو عبد صاحب گنّے کی قاش منھ میں لیے گاؤ تکیہ پر سو رہے

www.ilmkidunya.com

تھے۔ ماں جی نے بہتیرا ہلایا، ہلایا، چمکارا لیکن عبد صاحب ایسی نیند سو گئے تھے جس سے بیداری قیامت سے پہلے ممکن ہی نہیں۔

ماں جی نے اپنے باقی ماندہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو سینے سے لگا لگا کر تلقین کی ”بچّو! رونا مت۔ تمھارے ابا جی جس آرام سے سو رہے تھے، اسی آرام سے چلے گئے۔ اب رونا مت۔ ان کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔“

جب وہ خود چل دیں تو اپنے بچوں کے لیے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئیں، جو قیامت تک انھیں عقیدت کے بیابان میں سرگرداں رکھے گا۔

اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی، لیکن مسجد کا مُلّا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہو گئی ہے۔

ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ اور زردے کا اہتمام لازم ہے۔

ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔

(ماں جی)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جواب دیں۔

(الف) ’بار‘ کے علاقے سے کیا مراد ہے؟

(ب) ماں جی کے اسباب میں کیا کیا چیزیں شامل تھیں؟

(ج) عبد صاحب اپنی دلھن کو کہاں لے گئے؟

(د) سرسیّد احمد خان کس بات پر عبد صاحب پر خفا ہوئے؟

(ہ) ’ماں جی‘ کو میلا دیکھنے کے لیے کتنے پیسے ملے تھے؟

۲۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) نانا جی دو تین بار شہر تلاش میں گئے:

(الف) نوکری کی (ب) کاروبار کی (ج) زمین کی (د) معاوضے کی

(ii) نانا جی نے بقر عید پر ماں جی کو عیدی دی:

(الف) گیارہ پیسے (ب) بارہ پیسے (ج) دو آنے (د) تین آنے

(iii) نانا جی اپنی بیوی، دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا کنبہ لے کر روانہ ہوئے:

(الف) فیروز پور (ب) لائل پور (ج) انبالہ (د) گلگت

(iv) عبد صاحب کو ولایت جانے سے منع کیا:

(الف) والدہ نے (ب) والد نے (ج) ماں جی نے (د) نانا جی نے

(v) افسانہ ''ماں جی'' کے تخلیق کار کا نام ہے:

(الف) اشفاق احمد (ب) قدرت شہاب (ج) ممتاز مفتی (د) بانو قدسیہ

۳۔ سبق ''ماں جی'' کو مدِنظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں:

(الف) ''اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو انھوں نے اپنی زبان سے کبھی ''میرے بیٹے'' یا ''میری بیٹی'' کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو کا مال کہا کرتی تھیں۔''

(ب) ''بھاگوان! شادی سے پہلے میلے میں مَیں نے تجھے گیارہ پیسے دیے تھے کیا اُن کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟''

(ج) ''اگر رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔''

۴۔ کیا قدرت شہاب کی افسانوی تحریر ''ماں جی'' میں سماجی اور روحانی پہلو نمایاں ہیں؟ تبصرہ کریں۔

۵۔ سبق کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ سیاق و سباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

(الف) ''کیا تم اپنی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح۔۔۔۔۔۔۔گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔''

(ب) ''اولاد کے معاملے میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رویا نہ کرتی ہوں گی؟''

تذکیر و تانیث

جنس کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہیں: (i) مذکّر (ii) مؤنّث

(i) **مذکّر:** وہ اسم جو ''نر'' کے لیے استعمال کیا جائے، جیسے: بھائی، لڑکا، بیٹا وغیرہ۔

(ii) **مؤنّث:** وہ اسم جو ''مادہ'' کے لیے استعمال ہو، جیسے: بہن، لڑکی، بیٹی وغیرہ۔

تذکیر و تانیث دو طرح کی ہوتی ہے: (i) حقیقی تذکیر و تانیث (ii) غیر حقیقی تذکیر و تانیث

www.ilmkidunya.com

(i) حقیقی تذکیر و تانیث: انسانوں اور جان داروں کی تذکیر و تانیث کو حقیقی تذکیر و تانیث کہا جاتا ہے۔

(ii) غیر حقیقی تذکیر و تانیث: اس میں ہم اسموں میں نر اور مادہ کی تمیز نہیں کر سکتے بلکہ اہلِ زبان کے محاورے سے ان کی پہچان ہوتی ہے، مثلاً لباس اور رومال مذکّر ہیں جب کہ حویلی اور کرسی مؤنث ہیں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ کے جملے بنا کر تذکیر و تانیث واضح کریں:

سورج، مٹی، شہر، ریاست، اخبار، اردو، چاند

۸۔ سبق ''ماں جی'' کا بغور مطالعہ کیجیے اور اس میں سے غیر حقیقی تذکیر و تانیث تلاش کیجیے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

- ☆ لائبریری یا انٹرنیٹ کی مدد سے کسی مشہور افسانہ نگار کے کسی ایک افسانے کا مطالعہ کریں۔
- ☆ افسانے ''ماں جی'' کے مرکزی کردار کے حوالے سے، قدرت شہاب کے اسلوب بیان کے اہم نکات تیار کریں اور انھیں جماعت کے روبرو پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام:

- ☆ طلبہ سے سوال کیا جائے کہ افسانے میں ''ماں جی'' کے کردار کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں۔
- ☆ طلبہ سے فہمِ متن کے سوالات پوچھے جائیں اور ان سے اظہارِ خیال کروایا جائے۔
- ☆ طلبہ سے کہا جائے کہ وہ ماں کی محبت یا والدین کے احترام کے موضوع پر مختصر نثر پارہ تحریر کریں۔

www.ilmkidunya.com